دارا شکوہ اور احترامِ ادیان

ڈاکٹر شیخ عقیل احمد ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

Abstarct:

Dara Shikoh a Mughal prince, is famous for his love and passion for religions and literature. In this article the Author has discussed Dara Shikoh’s respect and services for religions.

کلیدی الفاظ: دارا شکوہ، شہزادہ، مغل دور، ادبیات، ادیان عالم،

دارا شکوہ کو تاریخ میں بھولا بسرا مغل شہزادہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ وہ ایک ایسی شخصیت کا نام ہے جسے بد قسمتی سے ہندوستان کی حکمرانی تو نصیب نہیں ہوئی مگر آج بھی وہ شخص اپنے کشادہ ذہن اور وژن کی وجہ سے کروڑوں دلوں اور ذہنوں پر راج کر رہا ہے۔ اگر وہ خوش قسمتی سے ہندوستان کا حکمراں ہوتا تو اس ملک کی تاریخ، تصویر اور تقدیر بالکل بدلی ہوئی ہوتی کیونکہ دارا شکوہ ایک ایسا فرد تھا جو صحیح معنوں میں مذہبی رواداری، سماجی ہم آہنگی، اتحاد پسندی، باہمی محبت و یگانگت، تنوع میں وحدت، (Unity in diversity) اور مخلوط معاشرت و ثقافت کا قائل تھا، جو یہ جانتا تھا کہ 'گلہائے رنگا رنگ سے ہے زینتِ چمن' اور جسے یہ بھی پتہ تھا کہ اس ملک کی خوبصورتی، اس کے تنوع (Diversity) میں ہے۔

یہ وہ شخص تھا جو ہندوستان کے امتزاجی معاشرے کا علمبردار اور سچ پوچھیے تو ہندوستانیت کی ایک روشن علامت تھا جسے آج ہندوستانیت کا مظہر کہا جاسکتا ہے۔ مشترکہ تہذیب کی ایک سچی مثال جس نے طبقات اور مختلف خانوں میں بٹے ہوئے پورے ہندوستانی معاشرے کو ایک لڑی میں پرونے کی کوشش کی۔ جو نہ صرف تمام ادیان کا احترام اور تمام دھرموں کا سمان کرتا تھا بلکہ اس کا تصور یہ تھا کہ دنیا کے تمام مذاہب یکساں ہیں، راستے الگ الگ سہی مگر منزل ایک ہے۔ ہر مذہب میں سچائی اور صداقت موجود ہے۔ ہر مذہب ایک روشنی کی مانند ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس نے ہندومت اور اسلام کے درمیان نقطۂ اشتراک کو تلاش کیا اور یہ ثابت کیا کہ ہندومت اور اسلام میں بہت سی چیزیں ایک جیسی ہیں۔ دونوں کے عقائد اور اخلاقیات میں بہت سی چیزیں مشترک ہیں، خاص طور پر دونوں کا نظریہ توحید ایک ہے، سزا اور جزا کا تصور ایک ہے اور بھی بہت سی باتیں ہیں جو دونوں میں مشترک ہیں۔

ایسے تصورات کا حامل کوئی معمولی شخص نہیں تھا، بلکہ مغل شہنشاہ شاہجہاں کا سب سے بڑا بیٹا دارا شکوہ تھا جسے شہنشاہی سے زیادہ فقیری اور درویشی، تصوف اور بھکتی سے دلچسپی تھی۔ جو سلسلہ قادریہ سے جڑا ہوا تھا اور ان صوفیاء کرام

سے اس کا گہرا رشتہ تھا جن کی زندگی کا شعار محبتِ انسانی، احترامِ انسانیت اور خدمت خلق ہے۔ جہاں یہ تصور عام ہے کہ تمام مخلوق اللہ کا کُنبہ ہے۔

داراشکوہ کا ذہنی سلسلہ ان اولیائے عظام اور صوفیاء کرام سے جڑا ہوا تھا جن کے دروازے بلا تفریقِ مذہب و ملت ہر عام و خاص کے لیے کھلے رہتے تھے، جہاں عقیدے اور مذہب کی کوئی قید نہیں تھی، جن کے نزدیک انسانیت ہی سب سے بڑا مذہب تھا۔ ان کے پاس حسن سلوک، عدل وانصاف کا ایک جامع تصور تھا۔ ان کے نزدیک آدمی کا اتنا احترام تھا کہ وہ قرآن کی اس آیت کو اچھی طرح سمجھتے تھے کہ جس نے کسی ایک شخص کا قتل کیا گویا اس نے پوری انسانیت کا قتل کیا۔ اسی لیے انھوں نے تشدد اور تعصب کی بات کبھی نہیں کی بلکہ ہمیشہ انسانیت کی بات کی۔

ان صوفی سنتوں کا خیال یہ بھی تھا کہ جب ایک ہی چراغ سے کعبہ وبت خانہ روشن ہیں تو پھر کفر اور دین کی تفریق کیوں؟ اور یہی خیال داراشکوہ کے ذہن میں بھی نقش تھا، اسی لیے انھوں نے ایک بار شاہ مُحب اللہ الہ آبادی جیسے صوفی سے یہ پوچھا تھا کہ کیا ہندو اور مسلمان میں فرق کیا جاسکتا ہے؟ تو شاہ محب اللہ الٰہ آبادی نے جواب دیا: یہ بالکل جائز نہیں ہے۔ صوفی سنتوں کا وطیرہ ہمیشہ اتحاد و یگانگت کا رہا ہے۔ انھوں نے ہر اس فکر اور فلسفے کو قبول کیا جس میں انسانیت کی فلاح اور صلاح تھی، چنانچہ ایک بڑے صوفی حضرت شیخ محمد غوث گوالیاری نے 'بحرُ الحَیَات' کے نام سے سنسکرت کے 'امرِتُ کُنڈ' کا ترجمہ کیا اور یوگا کے فوائد بتائے۔ یہ وہ لوگ تھے جو ویدانت اور یوگ سے اچھی طرح واقف تھے۔

صوفیوں میں ایسے افراد کی بھی تعداد بہت ہے جو ہندو فلسفے سے اچھی طرح آگاہ تھے۔ خود محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاء کی خانقاہ میں جوگی اور برہمن آتے جاتے رہتے تھے اور ان سے فیض حاصل کرتے تھے۔ حضرت نے بھی اسی لیے کہا تھا کہ ہر قوم کا الگ قبلہ اور دین ہوتا ہے اور وہ کسی کو بھی غیریت کی نظر سے نہیں دیکھتے تھے۔ صوفیوں میں ایسے لوگ بھی رہے ہیں جنھوں نے ہندو یوگیوں سے اچھی باتیں سیکھیں اور یہ بتایا کہ تصوف اور ویدانت دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ رام رحیم دونوں ایک ہیں۔ ان لوگوں نے عشق کی تعلیم دی اور یہی عشق ان کی زندگی کا منشور تھا۔

داراشکوہ پر انہی صوفیوں اور سنتوں کا بہت گہرا اثر رہا، اس لیے داراشکوہ نے مشترکہ عقائد پر گفتگو کی۔ ہندومت اور اسلام کے مشترک تصورات پر بات کی اور بینَ الْمذاہِبْ مکالے (Interfaith dialogue) کی ایک بہتر صورت نکالی۔ اس کی وجہ سے داراشکوہ معتوب بھی ہوئے۔ ان کو دائرۂ اسلام سے خارج بھی کیا گیا اور مرتد ہونے کے الزام میں ان کا قتل بھی ہوا مگر بنیادی طور پر داراشکوہ صلح کل کے آدمی تھے۔ وہ سنت کبیر اور مولانا رومی کے افکار سے بہت متاثر

تھے۔اسی لیے انھوں نے مذاہب کے تقابلی مطالعے پر مبنی ایک کتاب 'مَجْمَعُ الْبَحْرَین' (دو سمندروں کا سنگم) تصنیف کی اور ایک مشترکہ علمی اور روحانی وراثت کو تلاش کر کے اس نتیجے پر پہنچے کہ تمام مذاہب میں حق کا راستہ ایک ہی ہے اور اسی کتاب میں انھوں نے ویدانت اور تصوف کے مشترکہ عناصر پر بھی جامع اور مبسوط گفتگو کی۔اسی کتاب کی وجہ سے انھیں ملحد قرار دیا گیا۔ جبکہ اس کتاب میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو قابل اعتراض ہو۔ ممتاز ناقد و محقق پروفیسر تنویر احمد علوی نے لکھا ہے کہ ''سفینۃ الاولیا'، 'مجمع البحرین'، 'سرِّ اکبر' اور رسالہ 'حق نما' کے مطالعے سے کہیں یہ پتہ نہیں چلتا کہ شہزادے کے عقیدے اسلام کی حقیقت اور اس کے مذہب کے برحق ہونے کے معاملے میں بدل گئے تھے۔ وہ اپنی کتاب 'مجمع البحرین' میں اسلام اور ہندوؤں کے فلسفیانہ افکار کے مابین یکجہتی اور ہمہ آہنگی کے رشتے اگر تلاش کرتا ہے تو اس میں کوئی ایمانی غلطی نہیں کرتا۔ اسلام سے منحرف ہونے کا اس میں کوئی شائبہ نہیں۔'' (بحوالہ محمود علی، داراشکوہ، سیلم پور، دہلی، مارچ 1999)

تصوف سے داراشکوہ کے گہرے رشتے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ داراشکوہ کی پیدائش خواجہ معین الدین چشتی کے شہر اجمیر میں ہوئی تھی اور یہ خواجہ صاحب کی دعا کی برکت اور قبولیت تھی کہ داراشکوہ کا جنم ہوا۔ مغل شہنشاہ شاہجہاں نے خواجہ صاحب کے دربار میں بیٹے کے تولدؔ کی دعا مانگی تھی۔ شاہجہاں اس وقت تین بیٹیوں کا باپ تھا۔ بادشاہ کو ایک بیٹے کی چاہت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کی اور داراشکوہ پیدا ہوئے۔ مشہور شاعر ابو طالب کلیم نے اپنے قصیدے میں اسے 'گل اوّلیں گلستانِ شاہی' لکھا۔

سرزمین اجمیر کی روشنی اور خوشبو کا اثر 'گلستانِ شاہی کے گل اولیں' داراشکوہ کی سرشت پر پڑا اور اسی وجہ سے ان کا فطری اور طبعی رجحان تصوف کی طرف رہا اور تصوف کی بنیادی تعلیمات اور افکار نے ان کے ذہن و فکر کو متاثر کیا۔

داراشکوہ نے جہاں تصوف کے حوالے سے بہت سی کتابوں کا مطالعہ کیا وہیں شاہ محب اللہ الہ آبادی، ملا شاہ بدخشی، میاں جیو اور مجذوب سرمد سے بھی ان کا بہت گہرا تعلق رہا۔ اس کے علاوہ داراشکوہ نے یوگیوں میں بابا لال یوگی، پنڈت جگن ناتھ اور ویدانت کے دیگر ماہرین سے اپنا تعلق رکھا اور ان سے مسلسل رشتے کے نتیجے میں ان کے ذہن و فکر کے دروازے کھلتے گئے۔ ہندو یوگیوں سے ان کا گہرا رشتہ تھا۔ انھوں نے شنکر آچاریہ، رامانُج اور کبیر کی بھکتی سے بہت اثر قبول کیا تھا۔ اسی وجہ سے انھوں نے نہ صرف سنسکرت زبان سیکھی بلکہ باضابطہ سنسکرت ادب کا مطالعہ کیا اور ہندومت کی کتابوں کے ترجمے

فارسی میں کیے تاکہ ہندو فلسفے کو اچھی طرح سمجھ سکیں اور دونوں مذاہب کے مابین جو غلط فہمیاں اور شکوک وشبہات ہیں ان کا اِزالہ ہو سکے۔

مسلمان صوفیاء اور یوگیوں سے تصوف اور ویدانت کے مسائل پر داراشکوہ کی بڑی اہم گفتگو ہوا کرتی تھی۔ ان سوالات اور جوابات نے ان کو اسلام، ویدانت اور بھکتی کے بارے میں پوری معلومات مہیا کردی اور ان کے ذہن کو بھی صاف کیا اور انھیں اس بات کا احساس دلایا کہ فقیر بن کر انسان کی خدمت کرنا حکومت کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ داراشکوہ نے سلطنت کے بجائے درویشی کو ترجیح دی۔

ہندوستانی فکر و فلسفہ، تہذیب وثقافت پر داراشکوہ کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے ان اپنشدوں کو بیرونی دنیا میں متعارف کرایا جس میں حکمت ودانش کا بیش بہا خزانہ تھا۔ وہی پہلا شخص تھا جس نے 52 اپنشدوں کا فارسی میں ترجمہ کیا اور ہندومت اور اسلامی تصوف کے درمیان ایک مشترکہ بنیاد کی تلاش کی، انہی کے ترجموں کے بعد اُپنشد کا ترجمہ فرانس، جرمنی اور دوسرے مغربی ممالک میں ہوا۔ مشہور فرانسیسی سیّاح برنیئر اس ترجمے کو فرانس لے کر گئے۔ فرانس کے حلقے میں اس کی بڑی پذیرائی ہوئی اور ہندوستانی فلسفے کے تئیں ایک عقیدت اور محبت کا سیلاب امنڈ پڑا۔ ایک مشہور فرانسیسی فلسفی Victor Cousin نے ویدانت کی تعریف کرتے ہوئے کہا تھا کہ یہ انسانی کائنات کا ایک عظیم فلسفہ ہے۔ Friedrich Von Schelling، Arthur Schopenhauer، Paul Deussen، بھی اُپنشد سے بہت متاثر ہوئے اور میکس مولر کو مجبور کیا کہ وہ اس کا نہ صرف ترجمہ کریں بلکہ جرمن میں اس کی تشہیر وتبلیغ کریں۔

شوپنہاور جیسا دانشور 'اپنشد' کا بہت بڑا مداح تھا۔ کلکتہ میں ایشیاٹک سوسائٹی کے بانی سر ولیم جونس نے بھی اُپنشد کی بہت تعریف کی اور کہا کہ یہ ایک عظیم صحیفہ ہے۔ مغربی دنیا میں اپنشدوں کو متعارف کرانے کا سہرا داراشکوہ کے سر جاتا ہے۔ اگر داراشکوہ نے اس میں دلچسپی نہ لی ہوتی تو شاید اپنشد کا حلقۂ اثر اتنا وسیع نہ ہوتا۔ اس لیے ہمیں داراشکوہ کا ممنون ہونا چاہیے کہ اس نے اپنشد کے فلسفے کی تبلیغ وتشہیر کی اور ویدانت اور اسلامی تصوف کے درمیان ایک نقطۂ اتحاد تلاش کیا اور صرف یہی نہیں کہ انھوں نے اسلام اور ہندومت کی مشترکہ روایت اور وراثت پر زور دیا بلکہ یہ بھی بتایا کہ قرآن کریم کی آیت انہ لقرآن کریم O فی کتاب مکنون O لا یمسہ الا المطہرون O تنزیل من رب العلمین O میں جس کتاب مکنون کا ذکر ہے وہ دراصل 'اپنشد' ہی ہیں۔ چنانچہ انھوں نے سرِّ اکبر کے عنوان سے اُپنشد کا فارسی میں ترجمہ کیا۔

اس کے مقدمہ میں داراشکوہ نے لکھا ہے کہ؛

''میں نے ہندو علوم کے مرکز یعنی بنارس میں رہنے والے پنڈتوں اور سنیاسیوں کو جمع کیا اور ان کی مدد سے 6 ماہ کے عرصے میں دہلی میں اپنشدوں کا ترجمہ مکمل کیا۔''

(داراشکوہ: سکینۃ الاولیاء، اردو ترجمہ: پروفیسر مقبول بیگ بدخشانی، ناز پبلشنگ ہاؤس، پہاڑی بھوجلہ، دہلی 6)

داراشکوہ نے صوفی سنتوں، سنیاسیوں، یوگیوں، پنڈتوں اور عالموں سے سوال و جواب کرکے بہت ساری معلومات حاصل کیں اور تحقیق و جستجو کے بعد یہ نتیجہ نکالا کہ اسلام اور ہندومت میں صرف الفاظ اور مَفاہیم کا فرق ہے باقی دونوں مذاہب کی ماہیت اور روح ایک ہے اور یہ بھی بتایا کہ دونوں مذاہب میں صلح وآشتی اور امن کی تعلیم دی گئی ہے اور یہ بھی کہ دو متضاد چیزیں روحانی سطح پر ایک ہو سکتی ہیں۔ 'مجمع البحرین' میں انھوں نے پانچ بھوت، پنچ اِندری، دُھن، آتما پر ماتما، ترِگُن، تری مورتی، اُوم، نرنجن، برہمانند جیسے ہندو فلسفوں اور نظریوں کو بیان کیا اور اسلامی تصوف کے ذریعے ان کے اشتراک کی جستجو کی۔ اس طرح انھوں نے دونوں مذاہب کے بنیادی تصورات میں مماثلت کو بیان کیا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ مسلمان جس طرح ذاتِ مطلق، علیم، قادر، بصیر وغیرہ کہتے ہیں اسی طرح ہندو، ترِگُن، نرنکار، نرنجن، ستیہ وغیرہ کہتے ہیں۔ مسلمان جنھیں 'مظہر' کہتے ہیں ہندو انھیں 'اوتار' کہتے ہیں۔ مسلمانوں کے نزدیک جو 'وحی' ہے ہندوؤں کے یہاں وہ 'آکاش وانی' ہے۔ مسلمان جنھیں 'کتب آسمانی' کہتے ہیں ہندو انھیں 'وید' کہتے ہیں۔ ان کے بقول مہادیو اسرافیل ہیں اور وِشنو میکائیکل ہیں۔ اسی طرح مسلمانوں کے یہاں 'قیامت' کا تصور ہے تو ہندوؤں کے یہاں 'پرلے' کا۔ اس کتاب کے تعلق سے پروفیسر مقبول بیگ بدخشانی لکھتے ہیں کہ:

''یہ کتاب لکھتے ہوئے داراشکوہ کے پیش نظر ہندوؤں اور مسلمانوں کے ویدانتی اور صوفیانہ عقائد تھے'' جیسا کہ وہ مقدمہ میں لکھتا ہے؛

> ''ہندوؤں سے میل جول اور بحث و تمحیص سے اسے معلوم ہوا کہ معرفت ربانی کے سلسلے میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں جو اختلاف ہے وہ محض زبان و بیان کا ہے۔ مقدمہ میں اس نے کفر و اسلام اور دیر و حرم کی یگانگت اس طرح بیان کی ہے: تعریف اس خدائے یگانہ کی ہے جس نے اسلام اور کفر کی دو زلفیں جو ایک دوسرے کے مقابل میں اپنے چہرے پر لہرائیں۔ ان میں سے کوئی ایک بھی اس کے رخ نیکو کے لیے موجب حجاب نہیں۔''

(داراشکوہ: سکینۃالاولیاءاردو ترجمہ پروفیسر مقبول بیگ بدخشانی)

داراشکوہ بنیادی طور پر اپنشد کے فلسفے سے بہت متاثر تھے اسی لیے انھوں نے اپنشد کا ترجمہ ہی نہیں بلکہ انھوں نے اپنشد کے افکار کی تشریح بھی کی اور اس سلسلے میں بہت سے اہم مفسرین اور مفکرین سے مدد بھی لی ہے۔

داراشکوہ نے اسلامی تصوف کی تعلیم حضرت میاں میر سے حاصل کی جنھوں نے اپنے دست مبارک سے سکھوں کے مقدس دربار کا سنگ بنیاد رکھا تھا جسے آج 'گولڈن ٹیمپل' کہا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ وہ ملا شاہ بدخشی کے مرید تھے۔ اسی طرح ہندو جوگیوں میں انھوں نے سنت کبیر کے پیروکار لائی داس سے ویدانت کا فلسفہ سیکھا۔ ان کا ایک مکالمہ بابالال بیراگی سے بہت مشہور ہے۔ بیراگی سے ان کی بہت طویل ملاقاتیں رہی ہیں اور ان دونوں کے درمیان جو سوال وجواب ہوئے ہیں، اس میں اسلامی تصوف اور ویدانت کے حوالے سے بڑی قیمتی گفتگو ہے۔ اس طرح داراشکوہ نے ہندو مت اور اسلام کے درمیان ایک مضبوط رشتے اور قربت کو تلاش کیا اور اس تنگ نظری کا خاتمہ کرنے کی کوشش کی جو مذہبی بنیاد پر روا رکھی گئی تھی۔

صوفیا سے انھیں اتنی عقیدت تھی کہ انھوں نے 'سَفِیْنَۃُ الْاَوْلِیَا' کے نام سے 25 سال کی عمر میں کتاب لکھی جو 1639 میں مکمل ہوئی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین، ازواجِ مطہرات، ائمہ اربعہ کے علاوہ 411 صوفیائے کرام کا تذکرہ ہے۔ انھوں نے صوفی سلسلے سے متعلق بہت سی معلومات اس میں پیش کی ہیں۔

داراشکوہ بطور تمہید لکھتے ہیں کہ؛

> ''مخلوقاتِ الٰہی میں انبیاء علیہم السلام کے بعد اولیاء کرام کا مرتبہ سب سے افضل واعلیٰ ہے کیونکہ یہ حضرات بمصداق آیت یحبہم ویحبونہ خدائے تعالیٰ کے سچے عاشق بھی ہیں اور اس کے محبوب بھی۔ اولیاء کرام کی جماعت ہر زمانہ میں موجود رہی ہے اور ہمیشہ موجود رہے گی کیونکہ دنیا کا قیام انھیں کے مبارک وجود سے قائم ہے جیسا کہ شیخ پیر علی ہجویریؒ نے اپنی کتاب 'کشف المحجوب' میں فرمایا ہے۔ خدا تعالیٰ کسی وقت بھی زمین کو بے حجت نہیں رکھتا اور اس امت کو بغیر ولی کے نہیں رکھتا۔ اس کے استشہاد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث شریف بیان فرمائی ہے کہ ''میری امت میں ہمیشہ ایک گروہ ایسا رہے گا جو نیکی پر قائم رہے گا اور میری امت کے چالیس آدمی سنت ابراہیمی پر ہمیشہ قائم رہیں گے۔ پس انبیاء علیہم السلام کے بعد خدا کے نزدیک اس گروہ

کے علاوہ اور کوئی نہیں اور اعزاز و اکرام کے اعتبار سے بھی اس گروہ سے زیادہ خدا کے نزدیک کوئی نہیں۔ اس گروہ سے زیادہ نہ کوئی بلند حوصلہ اور عالی ہمت ہو سکتا ہے اور نہ کوئی ایسا بے نیاز اور کامل ترین جیسا کہ اولیاء کاملین کی جماعت ہوتی ہے۔" (داراشکوہ، سفینۃ الاولیاء، اردو ترجمہ: محمد علی لطفی، نفیس اکیڈمی، اردو بازار، کراچی، مئی 1986، ص 18)

اسی طرح داراشکوہ نے 28 سال کی عمر میں 'سکینۃ الاولیاء' کے عنوان سے بہت ہی اہم کتاب تصنیف کی جس میں صوفی شیخ میاں میر، ملا شاہ اور ان کے روحانی شاگردوں کے احوال تحریر کیے ہیں۔ اس کتاب میں انھوں نے پیر ملا شاہ بدخشی (حضرت اخوند) کا ذکر بھی کیا ہے اور میاں میر جیو کا بھی جو ان کے پیر تھے جن کے تئیں ان کے دل میں بڑی عقیدت و محبت تھی۔

اس کتاب کی تصنیف کی بابت داراشکوہ لکھتے ہیں؛

"25 سال کی عمر میں بروز پنج شنبہ میں سو رہا تھا کہ ہاتف غیب کی صدا آئی اور چار بار اس کی تکرار ہوئی کہ جو بات روئے زمین کے بادشاہوں کو میسر نہیں آئی وہ خداوند تعالیٰ نے مجھے عطا کی۔ خواب سے بیدار ہوا تو میں نے اپنے آپ سے کہا کہ یہ سعادت البتہ عرفان الٰہی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے یہ دولت بخشی ہے۔ عطائے محبت سب عطاؤں سے بہتر ہے جو بے مثل، بے بہا، کمیاب اور نادر ہے۔ یہ نعمت اس کے رحم اور بے نہایت عنایت کا ثمرہ ہے۔ اس دولت کا میں ہمیشہ سے طالب تھا۔ یہاں تک کہ مجھے 1049ھ میں بیس سال کی عمر میں ماہ ذی الحجہ کی 12 تاریخ کو ایک حبیب خدا کی صحبت میں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا جو مجھ پر ایسے مہربان ہوئے کہ جو بات دوسروں کو مہینے بھر میں حاصل ہو سکتی تھی وہ مجھے پہلی رات میں نصیب ہو گئی اور جو بات کسی کو سال بھر میں میسر آتی تھی، وہ مجھے ایک ماہ میں میسر آگئی اور جو بات کسی طالب کو سالہا سال کی ریاضت و مجاہدہ میں حاصل ہوئی تھی وہ مجھے بغیر ریاضت کے مل گئی۔ اس وقت دونوں جہانوں کی محبت یکبارگی میرے دل سے نکل گئی اور فضل و رحمت کے دروازے مجھ پر کھل گئے جو میں چاہتا تھا وہ مجھے مل گیا۔ اس وقت اگرچہ میں اہل ظاہر سے تعلق رکھتا ہوں لیکن حقیقت میں اہل ظاہر میں سے نہیں بلکہ میں نے اہل ظاہر کی بے حرمتی اور

آفت کو سمجھ لیا ہے۔ اگرچہ میں درویشوں سے دور ہوں لیکن میں انھیں میں سے ہوں۔ صاحب کشف المحجوب (حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش) فرماتے ہیں "آدمی مال و دولت کی زیادتی کی وجہ سے دنیادار نہیں ہوتا اور مال ومتاع کی کمی کی وجہ سے وہ فقیر نہیں ہوتا۔ جو شخص فقر کو افضل سمجھتا ہے غنا اسے دنیادار نہیں ہونے دیتا، خواہ وہ بادشاہ ہی ہو۔ جو شخص فقر کا منکر ہو وہ دنیادار ہوتا ہے خواہ وہ مفلس ہی کیوں نہ ہو۔"(داراشکوہ: سکینۃ الاولیا: اردو ترجمہ پروفیسر مقبول بیگ بدخشانی، ناز پبلشنگ ہاؤس، پہاڑی بھوجلہ دہلی،6، ص9-11)

اس کتاب میں قادریہ، نقشبندیہ، چشتیہ اور سہروردیہ سلسلوں کے بارے میں بہت تفصیلی معلومات ہیں۔ اسی کتاب میں انھوں نے سانس روکنے کے تعلق سے بھی لکھا ہے جو ہندو یوگیوں کی عبادت کا ایک حصہ ہے۔ اسی طرح مختصر رسالہ 'حق نما' ان کی ایک اہم تصنیف ہے جس میں تصوف اور معرفت کے حوالے سے بڑی عمدہ گفتگو ہے۔ اس میں حکمت عرفانی کے بڑے اہم راز کا انکشاف ہے۔ رسالہ 'حق نما' میں عالم ناسوت، جبروت، لاہوت اور ملکوت کا ذکر ہے۔ اسی کتاب میں انھوں نے 'وحدۃ الوجود' پر بھی گفتگو کی ہے۔ اس باب میں ان کا نظریہ ابن عربی عبدالکریم جیلی سے ملتا جلتا ہے۔ اس کتاب بتایا ہے کہ سالک کا دل غیر اللہ سے خالی ہونا چاہیے۔ اسلامی عرفان اور ہندو ویدانت کے درمیان اس میں اشتراک پر گفتگو ملتی ہے۔ 'حَسَناتُ العارِفین' میں بھی انھوں نے مختلف صوفیاء کے اقوال کو جمع کیا ہے اور اس کتاب میں یہ وضاحت کی ہے کہ میں نے یہ اقوال اس لیے جمع کیے تاکہ میرے اوپر کفر کا الزام لگانے والے عبرت حاصل کریں۔ اس کتاب میں انھوں نے بایزید، ذُوالنون مصری، عبدالقادر جیلانی کے علاوہ بابالال یوگی کے زریں اقوال بھی تحریر کیے ہیں اور یہ واضح کیا ہے کہ روحانیت کی حقیقت کیا ہے اور روحانیت کے مدارج کیسے طے کیے جاسکتے ہیں؟

داراشکوہ کا وژن بہت وسیع تھا۔ انھوں نے ہندوستانی معاشرے کو ایک نئی سوچ ایک نئی روشنی دی اور یکجہتی کی اس روایت کو قائم کرنے کی کوشش کی جس کا سلسلہ اکبر کے زمانے سے شروع ہو گیا تھا کہ انھیں کے عہد میں ابوالفضل نے 'مہابھارت اور 'رامائن' کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔ اس کے بعد ہی اس کے ترجمے انگریزی میں کیے گئے تھے۔ تو اس طرح اکبر کی رواداری کی اُس روایت کو داراشکوہ نے آگے بڑھانے کا کام کیا۔

داراشکوہ ایک باعمل صوفی شاعر تھا جس کے سینے میں ایک گداز دل تھا۔ اس کا ایک دیوان بھی ہے اور اس کی رباعیات بھی مشہور ہیں جن کے اردو میں ترجمے ہو چکے ہیں۔ انہی کا مشہور شعر ہے؛

بہشت آں جا کہ ملائی نہ باشد
ز ملا شور و غوغائی نہ باشد

”جنت وہ جنت ہے جہاں نہ ملا ہوگا اور نہ ہی اس کا شور و غوغا۔“

داراشکوہ نفرت اور تشدد کا قائل نہیں تھا بلکہ خدمت خلق پر اس کا یقین تھا جو اہل تصوف کا بنیادی مقصد اور منشور ہے۔ دراصل اسی خدمت خلق اور انسانیت کے جذبے نے انھیں تصوف کی طرف مائل کیا تھا۔ وہ تصوف جو دلوں کو توڑتا نہیں بلکہ جوڑتا ہے اور داراشکوہ نے اپنی پوری زندگی جوڑنے کے اسی عمل سے اپنے آپ کو جوڑے رکھا۔ آج جو احترام ادیان کی باتیں ہوتی ہیں دراصل سب سے پہلے یہ تصور داراشکوہ نے ہی دیا تھا۔ آج ضرورت ہے کہ اس تصور کو عام کیا جائے اور اس طرح داراشکوہ کے خواب کو حقیقت میں بدلا جائے۔

حوالہ جات:

۱۔ داراشکوہ، سفینۃ الاولیاء، اردو ترجمہ: محمد علی لطفی، نفیس اکیڈمی، اردو بازار، کراچی، مئی ۱۹۸۶ء

۲۔ داراشکوہ: سکینۃ الاولیاء، اردو جمہ: پروفیسر مقبول بیگ بدخشانی، ناز پبلشنگ ہاؤس، پہاڑی بھوجلہ، دہلی ۶

۳۔ داراشکوہ: مجمع البحرین، مرتبہ: محمد محفوظ الحق، ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ ۱۹۲۹ء

۴۔ داراشکوہ: مجمع البحرین، مترجم: پروفیسر طلحہ رضوی برق، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، ۲۰۱۹ء

۵۔ حافظ کرناٹکی: ہندوستان صوفی اور سیکولر شہزادہ: داراشکوہ، فرید بک ڈپو، دریاگنج، نئی دہلی 2، جولائی ۲۰۱۹ء

۶۔ محمود علی: داراشکوہ، سیلم پور، دہلی مارچ ۱۹۹۹ء

۷۔ شکیل الرحمن: محمد داراشکوہ، نرالی دنیا پبلی کیشنز، نئی دہلی ۲۰۱۲ء

۸۔ محمد سلیم: داراشکوہ: احوال و افکار، مکتبہ کارواں لاہور،

۹۔ عادل اسیر: رباعیات داراشکوہ، ملک بک ڈپو، ترکمان گیٹ، دہلی، ۲۰۱۱ء